Tayyeba Tehseen
Lecturer, Govt. Islamia Graduate college for Women, Cooper Road, Lahore

طیبہ تحسین
لیکچرار، گورنمنٹ اسلامیہ گریجویٹ کالج برائے خواتین، کوپر روڈ، لاہور

ترجمہ نگاری: چند اہم مباحث

Some Important Aspects of Translation

ABSTRACT: Translation work retains an important position in the literary domain. It is an integral part of the process of exchanging ideas and information as well as transforming foreign expressions and diverse fields of knowledge into one's own language and vice versa. A sufficient amount of the World Literature was made available to indigenous cultures only through the medium of translation .A wide range of classical literature became known to the Urdu readers via translations only. This paper aims at the various aspects of translation and is substantiated with the examples and specimens of commendable translation works. It also points out few examples of what a translation ought not to be, and must be avoided at all costs.

Key words: translation, donor language, borrower language, exchange, transform, transfer, interpret, world Literature, translator's license.

ترجمے کا لفظ لغوی طور پر عربی کا ہے۔اس کا مادہ رج م ہے۔ معروف معنوں میں ایک سے دوسری زبان سے مُنتقل کیے گئے الفاظ یا جملے ترجمہ کہلاتے ہیں۔

ممتاز نقّاد مظّفر علی سیّد نے لفظ ترجمہ کے متعلّق عالمانہ بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ٹرانسلیشن کا لفظ مغرب کی جدید زبانوں میں لاطینی سے آیا ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں ''پار لے جانا''۔اس سے قطع نظر کوئی خاص مترجم کسی کو پار اتارتا بھی ہے کہ نہیں، یہ مفہوم نقل مکانی سے نقلِ معانی تک پھیلا ہوا ہے۔اس طرح اردو اور فارسی میں ترجمے کا لفظ جس کا اِشتقاقی رابطہ ترجمان اور مترجم دونوں سے ہے، عربی زبان سے آیا ہے۔اہلِ لغت اس کے کم سے کم چار معنی درج کرتے ہیں، ایک سے دوسری زبان میں نقلِ کلام ، تفسیر و تعبیر، دیباچہ اور کسی شخص کا بیان، احوال یا تذکرۂ شخصی ہے۔

یہ سب معانی باہم مربُوط ہیں۔ اس طرح تُرجِم بھی (ت کی پیش اور ج کی زیر کے ساتھ) جس کے معنے ہیں: التباس کرنا، خلط ملط کرنا اور ترجِم (ج کی زیر کے ساتھ) کا معنی ہے مشکوک اور مخلُوط۔ غالباً یہ معنے ان بے اختیار مترجمین کی وجہ سے پیدا ہوئے ہوں گے جن کی کسی زمانے میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور جو اپنی کثرت کی وجہ سے جُملہ مترجمین کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔"(۱)

مشہور لُغات میں ترجمے کے مندرجہ ذیل معنی و مفاہیم بیان ہوئے ہیں، مثلاً جامع اللُّغات میں ترجمہ کے معنی یُوں ہیں:

"ترجمہ (مذکر) ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کی ہوئی عبارت (کرنا ہونا کے ساتھ)"(۲)

فرھنگِ آصفیہ:

"اسم مذکّر، ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کیا ہوا، اُلتھا۔"(۳)

عربی لُغت المُنجد کے مطابق:

"کسی شخص کے عادات و خصائل بیان کرنا، کسی کے معاملے کو واضح کرنا مثلاً تَرجمہُ بالتُّرکِیَہ: اس نے اس کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا۔"(۴)

انگریزی لغات کا اگر جائزہ لیں تو وہاں ترجمہ (بہ طور اسم) "translation" اور ترجمہ کرنا (بہ طور فعل) "to translate" کے لیے مندرجہ ذیل مفاہیم دستیاب ہیں:

Collins Compact Dictionary:

translation:

1) a piece of writing or speech that has been translated into another language
2) the act of translating something
3) the expression of something in a different way or form."

Collins Compact Dictionary:

to translate:

1) (a) to change (something spoken or written in one language) into another.
(b) to be capable of being changed from one language into another. ()

2) to express something in a different way, for instance by using a different measurement system or less technical language.

3) to transform or to convert, for instance by putting an idea into practice.

4) to interpret the significance of (a gestures, action, etc..

5) to act as a translator.

اب ہم ایک اور مستند لُغت میں لفظ "translate" کے معنی کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس لغت کا نام ہے۔

"Oxford Dictionary of Difficult Words"

translate: اس لُغت کے مطابق:

1) to express the sense (of words or text) in another language: the German original has been translated into English.
2) be expressed or be capable of being expressed in another language: Shiatsu literally translates as "finger pressure".
3) convert or be converted into (another form or medium): Few of Shakespeare's other works have been translated into ballets.
4) move from one place or condition to another :She had been translated from familiar surroundings to a foreign court.
5) move (a bishop) to another sea or pastoral charge. remove (a saint's relics) to another place. convey (typically still alive) to heaven.
6) (in Physics) cause (a body) to move so that all its parts travel in the same direction, without rotation or change of shape.
7) transform (a geometric figure) in an analogous way."(۷)

اور آخر میں اکسفرڈ ہی کی ایک جامع لغت میں "translate" کا معنی دیکھتے چلیے۔

"Oxford Advanced Learners' Dictionary"

translate:

1) to express the meaning of speech or writing in a different language.

2) to be changed from one language to another.
3) to change something, or to be changed into a different form.
4) to understand something in a particular way or give something a particular meaning.

translation:

1) the process of changing something that is written or spoken into another language.
2) a text or work that has been changed from one language into another.
3) the process of changing something into a different form. (۸)

ترجمے کی ان تعریفوں سے یہ بات عیاں ہے کہ ایک زبان یا ذریعے سے دوسری زبان کے منطقے میں متن کی نقل مکانی یا تبدیلی کا نام ترجمہ ہے۔ دوسری بات جو ان تعریفوں اور وضاحتوں کی ضمن میں بالکل واضح ہے 'وہ ہے اردو لُغات اور انگریزی لُغات میں ترجمے کے عمل کی اہمیت کا ادراک۔ ہم نے یہ دیکھا کہ اردو کی تمام قابلِ ذکر اور اہم لغات ترجمے کے لفظ کو یا اس عمل کی وضاحت کو اس قدر اہم نہیں گردانتی ہیں کہ دو یا تین سطروں سے زائد اس کا مفہوم بیان کر سکیں، جب کہ انگریزی لغات میں ترجمے کا مفہوم اور اس کی وضاحت جُدا جُدا بہ حیثیت اِسم (noun) اور بہ حیثیت فعل (verb) اور کئی کئی مثالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر آکسفورڈ ایڈوانسڈ لرنرز ڈکشنری لفظ "translate" کی وضاحت ۷ اجملوں میں مع امثال کرتی ہے اور لفظ کی وضاحت ۱۵ اجملوں میں مثالوں کے ساتھ بیان کرتی ہے اور "a literal", "a rough translation" "a word", "a free "translation", "for word translation", translation", اور "in translation" جیسی تراکیب کا فرق بہت جامعیّت کے ساتھ قاری تک پہنچاتی ہے۔

برّعظیم پاک و ہند کی عِلمی روایت میں ترجمے کو ہمیشہ دوسرے درجے کی چیز سمجھا گیا ہے اور اس دوسرے درجے کی مستحق یہ اس لیے گردانا گیا ہے کہ طبع زاد کو ہمیشہ حقیقی، اصلی اور قابلِ قدر تسلیم کیا جاتا رہا نیز ترجمہ بہ طور ایک سائنسی علم کے یہاں اس انداز میں پَنپ نہ سکا جس کا یہ اصلاً مستحق تھا۔ ایک اور وجہ یہ بھی کارفرما رہی کہ منظوم اور منثور تراجم اکثر و بیشتر لفظوں کا ترجمہ تو کر ڈالتے لیکن اس کی اصل رُوح کو دوسری زبان میں منتقل کر دینے میں ناکام رہے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر ظ۔ انصاری کے مضمون "ترجمے کے بنیادی مسائل" سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "برنارڈ شا کا ایک شُہرۂ آفاق ڈراما ہے Man and Superman اس ڈرامے کا ترجمہ ہوا ہے "نکتہ چیں ہے غمِ دل"۔ مترجم اس سے پہلے کئی ترجمے کر چکے ہیں اور انھیں انگریزی اور اردو دونوں زبانوں پر مکمل عبور بھی ہو گا لیکن ڈرامے کے اصل موضوع کو پہلے جاننے اور خوب ذہن نشین کر لینے کو شاید اہمیّت نہیں دیتے۔۔۔

برنارڈ شاخود آئر لینڈ کا باشندہ ہے۔آئر لینڈ اور انگلیڈ میں رقابت اور چشمک بہت پرانی ہے۔ لہٰذا اس کا آئرش ہونا کہیں نہ کہیں شو شا چھوڑتا ہے۔ کبھی وہ انگریز کی زبان سے آئرش کے خلاف کوئی احمقانہ جُملہ کہلواتا ہے، کہیں کسی آئرش زبان سے انگریز پر جملہ کستا ہے۔ کہیں آئرش کی برتری دکھاتا ہے اور کہیں ان کے بُود و باش اور مزاج پر طنز کر دیتا ہے۔اب کوئی شخص شا کے اس ڈرامے کا ترجمہ کرتے وقت انگریز ناموں کی جگہ ہندوستانی مسلمان نام رکھ دے تو لا محالہ اُسے شہروں کے نام، فرنیچر کے نام اور دوسری ضروریات کے نام بھی بدلنے پڑیں گے۔ ''پڈنگ ''کو کھیر بنانا ہوگا اور ''Pork''کو معلوم نہیں کیا کرنا ہوگا۔اور جب یہ صورت ہوگی تو ظاہر ہے کہ انگلش کو ہندوستانی اور آئرش رُش کو مصری یا قِطبی یا چینی لکھنا پڑے گا۔۔۔ ترجمے کی جو تباہی ہوگی ،ہر خوش مذاق آدمی اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ شا کو سمجھنے کے لیے ایسا ترجمہ کتنا مفید ہو سکتا ہے ۔''

(۹)

ترجمہ نگاری کی مشکلات مسلّمہ ہیں لیکن ترجمے کی ضرورت و اہمیت بھی اپنی جگہ ایک تسلیم شدہ امر ہے۔ازمنۂ رفتہ سے اب تک کوئی تہذیب ،ترجمے کی ضرورت سے مکمل طور پر بے نیاز کبھی نہیں رہی۔ بسا اوقات ترجمہ ایک اہم تحقیقی ماخذ کا کام دیتا ہے۔ مثلاً اسلامی تاریخ کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلم عہد میں، بالخصوص عہدِ عبّاسیہ میں جن یُونانی کتب کا ترجمہ کیا گیا وہ اپنی اصل زبان میں آج ناپید ہیں اور صرف عربی ہی میں دستیاب ہیں گویا ترجمے نے اصل کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی۔اسی حوالے سے حسنُ الدّین احمد لکھتے ہیں:

''ترجمہ کا کمال یہ ہے کہ وہ نہ صرف اصل عبارت کا درست لفظی ترجمہ ہو بلکہ مصنّف کے نظریات، معتقدات، تصّورات اور احساسات کی صحیح ترجمانی بھی ہو۔اصل متن کی رُوح اسی طریق سے برقرار رہ سکتی ہے۔یہی ترجمانی ہے اور یہیں محض لفظ ترجمہ اور ترجمانی کا فرق واضح ہو کر سامنے آتا ہے ۔ترجمانی ،ترجمے سے دشوار تر اور نازک کام ہے۔''

(۱۰)

یہ حقیقت ہے کہ ترجمانی، ترجمے سے دُشوار تر اور نازک تر ہے۔کارگہِ ترجمہ گری کا کام سچ مچ بہت نازک اور پیچیدہ ہے۔یہ جان لینا اور ٹھیک اندازے سے حکم لگانا کہاں ترجمے کی حد ختم ہوتی ہے اور ترجمانی کی حد شروع ہوتی ہے، بہت ہی مشکل اور نازک عمل ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں:

''اگر ہم کسی زبان پارے کو ترجمے کے لیے منتخب کریں تو پھر ترجمے کو ترجمہ ہی ہونا چاہیے، تالیف یا ترجمانی نہیں بننے دینا چاہیے۔ چناچہ یہی وجہ ہے کہ ترجمہ جب تک سچا ترجمہ رہتا ہے اسے ایک اہم ماخذ کے طور پر مقبول کیا جا سکتا ہے، لیکن جہاں وہ تالیف یا ترجمانی بن جاتا ہے ،اس کی مصدری اور تحقیقی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے۔شاید اسی لیے عام طور پر ترجموں کو تحقیق میں ہمیشہ ثانوی حیثیت دی جاتی

ہے کیونکہ اکثر ترجمے ترجمانی یا تالیف ہی ہوا کرتے ہیں ۔ ''
(۱۱)

مندرجہ بالا اقتباس میں کہی گئی بات کی تصدیق وتائید جناب رشید حسن خان کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''ترجمے کو اصل ماخذ کی حیثیت سے نہ پیش کیا جاسکتا ہے اور نہ قبول کیا جاسکتا ہے ۔تصنیف اور ترجمہ دو مختلف چیزیں ہیں ۔''
(۱۲)

ماضی میں اس روایت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دنیا میں تراجم کا آغاز پہلی صدی ہجری کے اواخر سے ہوا۔ ان تراجم کے موضُوعات بہت متنوّع تھے۔ کیمیا اور طبّ کی تصانیف سے شروع ہونے والے ان تراجم کا دائرہ رفتہ رفتہ پھیلتا چلا گیا۔ مسلمان فلاسفہ، قدیم یونانی فلسفیوں کے کارناموں سے بہ وجہِ تراجم بخوبی واقف تھے۔ رفتہ رفتہ افلاطون اور ارسطو کے افکار بھی عربی زبان کے لبادے میں ڈھال دیے گئے۔ سیاسیات، علمُ النّجوم ،ریاضی، علم ہندسہ اور فلسفہ کے تصانیف کا عربی میں ترجمہ ہوتا چلا گیا۔ اس بارے میں ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں:

''۔۔۔اِسلامی عہد کے مترجمین کا اندازِ نظر خالص علمی اور محقّقانہ رہا۔ ایک ہی متن کو چند مختلف مترجموں نے ایک دُوسرے سے مُتفاوت منابع کو سامنے رکھ کر عربی کا لباس پہنایا ہے۔ ایسی صورت میں یہ مترجم ان ترجموں پر جو ان سے قبل جلدی میں لکھے گئے تھے یا یہ تراجم ایسے لوگوں نے کیے تھے جو بہتر صلاحیتّوں کے حامل نہیں تھے، تجدیدِ نظر یا ان کی تصحیح کیا کرتے تھے۔ اس صورت حال کو سمجھنے کے لیے بعض اعداد و شمار بڑی حد تک مدد کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۲۳ اشخاص نے ارسطُو کے تصانِیف کا پہلی بار ترجمہ کیا ہے یا ان پر تجدیدِ نظر کی ہے۔ ان تئیس مترجمین میں آدھے سے زیادہ یونانی زبان جانتے تھے ۔دنیائے اسلام میں ارسطو کی بیس متعارف کتابیں تقریباً ۸۸ بار عربی میں منتقل کی گئی ہیں ۔''
(۱۳)

ترجمے کے باب میں کس قدر توجہ اور ساتھ ہی ساتھ اصل متن کی فضا برقرار رکھنے کی کس قدر ضرورت ہوتی ہے، اچھے تراجم ہمیں اس حقیقت سے روشناس کراتے ہیں۔ اچھے تراجم وہ ہیں جہاں ایک تو اصل متن سے وفاداری کا ثبوت دیا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ جہاں ضروری ہو، وہاں حواشی سے کام لینا ترجمے کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ مثال کے طور پر جین آسٹن (انگریزی ناول نگار) کے مشہور ناول ''Pride and Prejudice'' کا ترجمہ جو شاہد حمید نے ''تکبر اور تعصّب'' کے نام سے کیا ہے۔ بیالیس صفحات پر مشتمل اس کا دیباچہ ہی اس قدر وقیع ہے کہ بہ آسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ترجمہ کس پائے کا ہوگا۔ اس دیباچے کے محض دو اقتباسات دیکھیے۔ مترجم کی اپنے کام سے غیر مشرُوط وابستگی، وُسعتِ مطالعہ اور ہر دو زبانوں پر دسترس انھیں مترجمین کی صف میں ممتاز بناتی ہے:

(۱) ''سوزانا فلرٹن نے ایک پورا باب ''تکبر اور تعصب'' کے غیر زبانوں میں تراجم پر باندھا ہے۔ ناول پہلی مرتبہ ۲۸/جنوری ۱۸۱۳ء کو شائع ہوا تھا اور اُسی سال جنیوا کے ایک فرانسیسی جریدے میں چار اقساط پر مشتمل ترجمہ جولائی ،اگست ،ستمبر اور اکتوبر میں شائع ہو یہ عجیب و غریب ترجمہ تھا۔ بعض لوگ اسے حرامی (bastard) کہتے ہیں چونکہ اس زمانے کے سوئٹزرلینڈ کے لوگوں کو غیر روایتی شوخ و شریر اور بذلہ سنج کی جگہ فرماں بردار، شرمیلی لجیلی اور حیادار ہیروئنیں زیادہ پسند تھیں، چنانچہ ترجمہ نگار کی الزبتھ بینٹ نہ کھیتوں میں کڈ کڑے لگاتی ہے اور نہ ڈارسی کو کھری کھری سناتی ہے یا یوں کہیں کہ اس کی ساری تیزی، طراری اور چلبلاہٹ ہوا میں تحلیل ہو گئی ہے۔ اس کے جذبات اور گفتگوئیں اس حد تک تبدیل کر دی گئی ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ الزبتھ بینٹ ہے یا کوئی موم کی گڑیا۔۔۔ بعد کے ترجموں کا بھی، خواہ وہ فرانسیسی میں ہوئے یا یورپ کی دیگر زبانوں میں، حال کچھ اچھا نہیں تھا۔ تقریباً سبھی ترجمہ نگاروں نے من مانی ترامیم کی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیسویں صدی کے اواخر تک جین آسٹن کو یورپ میں کوئی مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔

تاہم ۱۹۹۰ء کی دہائی میں یہ سب کچھ ڈرامائی طور پر تبدیل ہو گیا۔ ۱۹۹۵ء کا بی بی سی کا ڈراما تقریباً ساری دنیا میں دیکھا گیا اور ڈارسائی خبط (Darcy mania) عالم گیر حیثیت اختیار کر گیا اور اچھے ترجموں کا انبار لگ گیا۔ آج اطالوی میں بیس سے زیادہ، چینی میں سترہ سے اوپر اور ہسپانوی میں ایک درجن تراجم ہو چکے ہیں۔ جن دوسری زبانوں میں ایک سے زیادہ ترجمے ہوئے ہیں ان میں فارسی، عربی، ترکی، جاپانی اور پُرتگالی شامل ہیں۔ سوزا فلرٹن نے ترجمے کی جو پچاس کے قریب زبانیں گنوائی ہیں ،ان میں اردو بھی شامل ہے۔'' (۱۴)

دوسرا اقتباس بھی ملاحظہ کیجیے۔ شاہد حمید نے کس قدر باریک بینی سے مذکورہ انگریزی ناول کا مطالعہ کیا اور بعد ازاں اُسے اردو کے قالب میں ڈھالا۔ ان کے مشاہدات دیکھیے:

''زبانیں ساکت نہیں رہتیں۔ ان میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ انگریزی کے پہلے عظیم شاعر چوسر (Chaucer) کی زبان آج بہت کم لوگوں کی سمجھ میں آتی ہے۔ شیکسپیئر کی زبان بھی خاصی (quaint) پرکشش انداز سے قدیم الوضع) ہوتی جا رہی ہے۔ اگرچہ جین آسٹن کو سمجھنے میں ابھی کوئی خاصی دشواری پیش نہیں آتی لیکن اس کے متعدّد الفاظ اور تراکیب کے معانی ان معانی سے خاصے مختلف ہیں جن میں وہ آج کل استعمال ہوتے ہیں مثلاً piqueکے معنی آج کل ''دلچسپی تجسّس ابھارنا یا برا فروختہ کرنا/غصّہ دلانا'' ہیں مگر جین آسٹن اسے ''کسی چیز پر فخر کرنا'' کے مفہوم میں استعمال کرتی ہیں۔ چند دیگر الفاظ کے معانی اس کے ہاں یہ ہیں: impertinent (دوسروں کے معاملات میں خواہ مخواہ ٹانگ اڑانے والا)؛ Chief (بیشتر جیسے Chief of night)؛ Implicit (مکمل جیسے Implicit Confidence)؛ dismission (dismissal کسی کو ناقابلِ قبول قرار دینا/مسترد کرنا جیسے

الزبتھ نے کولنز کو کیا تھا)؛recontre(اتفاقیہ مُلاقات)؛ marry privately(والدین کی اجازت کے بغیر شادی کرنا)؛discrimination (مشاہدہ)؛reach(کسی پہاڑی علاقے میں زمین کا ٹکڑا جو مسلسل ہموار چلا جا رہا ہو)وغیرہ۔''(۱۵)

اس عالمانہ بحث کے بعد یہ بھی دیکھتے چلیے کہ اس ناول کا ترجمہ، ترجمہ نہیں بل کہ طبع زاد معلوم ہوتا ہے۔ یہاں زبان کی روانی میں ہمیں ترجمہ پن قطعی محسوس نہیں ہوتا اور لگتا ہے کہ یہ پیرا گراف اصلاً اردو میں ہی لکھا گیا تھا:

''اجی، یقیناً،اس کی وفادار مدد گار نے صدا بلند کی۔ ''کسی بھی خاتون کو اس وقت تک سگھڑ یا با کمال نہیں سمجھا جا سکتا جب تک اس میں ان خُوبیوں سے، جو عام طور پر دیکھنے میں آتی ہیں، کہیں زیادہ نہ ہوں۔ اگر کوئی عورت اس لفظ کی مُستحق بننا چاہتی ہے، پھر اسے موسیقی، گلوکاری، نقش گری، رقص کاری اور جدید زبانوں میں دَرک ہونا چاہیے اور ان سب باتوں کے علاوہ اس کے چلنے پھرنے کے انداز، آواز کے لب و لہجے، گفتگو اور تیوروں میں خاص رکھ رکھاؤ ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ اس لفظ کی آدھی بھی مستحق نہیں ہو گی۔''

ہاں، یہ سب کچھ تو اسی میں ہونا ہی چاہیے،"ڈارسی نے کہا،''ان کے علاوہ اپنی ذہنی صلاحیتّوں کو جِلا دینے کے لیے اسے وسیع پیمانے پر کتابوں کا مطالعہ کر کے کسی ٹھوس اور وقیع چیز کا اضافہ کرنا چاہیے۔''
(۱۶)

اعلیٰ پائے کا ترجمہ کرنا جُوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ یہ وقت طلب بھی ہے اور دقّت طلب بھی۔ لوگوں کی زندگیوں کے کئی کئی برس اس کام میں صَرف ہو جاتے ہیں تب کہیں جا کر ایک مصرعِ تر کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ ادبِ عالیہ میں ایسے زندہ و جاوید تراجم بھی موجود ہیں جن پر ان کے مترجمین نے بہت مُشقّت اور عرق ریزی کی، جیسے محمد سلیمُ الرحمٰن کا ''Heart of Darkness'' ،کا ترجمہ جو ''قلبِ ظُلمات'' کے نام سے شائع ہوا، یا شاہد حمید کے عالمی کلاسیک کے دو تراجم، ٹالسٹائی کے ناول''War and Peace'' کا ترجمہ ''جنگ اور امن'' کے نام سے، اور دوستو وسکی کے ناول''Brothers Karamazov'' کا ترجمہ ''کرامازوف برادران'' کے نام سے، عمدہ تراجم قرار دیے جا سکتے ہیں۔ بالخصوص ،مترجمین نے اِن تراجم کے ساتھ جو حواشی دیے ہیں، وہ ان کی دیدہ ریزی کا ثبوت ہیں۔ پروفیسر الطاف فاطمہ کا ترجمہ کردہ ''نغمے کا قتل'' جو اصلاً ''To kill a Mocking Bird'' کا شاندار ترجمہ ہے۔ نیز الطاف فاطمہ کے برادرِ بزرگوار، اور ادبی پرچے ''ماہِ نو'' کے مدیر جناب فضل قدیر کا ترجمہ ''اسلام اور تقدیرِ انسانی'' بلاشبہ اعلیٰ پائے کے تراجم شمار کیے جا سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ مؤخر الذکر تصنیف، معروف اسکالر گائی ایٹن (بعد ازاں حسن عبدالحکیم مرحُوم) کی مشہور تصنیف''Islam and the Destiny of Man'' کا اردو ترجمہ ہے۔ جو لوگ چارلز گائی ایٹن کے اسلوبِ تحریر سے واقف ہیں، انھیں بہ خوبی علم ہو گا کہ گائی ایٹن کے اسلوب کو ہو بہو دُوسری زبان میں مُنتقل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہی معاملہ ایڈورڈ ڈبلیو سعید اور کیرن آرم سٹرانگ کا ہے جِن کے متون کو اردو میں ترجمہ کرنا خاصا مشکل اور توجہ طلب امر ہے اور ہر شخص ان کا ترجمہ کرنے پر قادر نہیں۔

ایک اور عمدہ ترجمہ مولانا عبدُالماجد دریابادی کے رہوارِ قلم کا نتیجہ ہے جس کے متعلق ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں:

"۔۔۔"ناموارانِ سائنس" پر سرے سے ترجمے کا نہیں، طبع زاد تصنیف کا گمان گزرتا ہے۔ یہ سہولتِ انداز اظہار ماجد کا خاص فن ہے۔ یوں لگتا ہے کہ انھوں نے اصل کے عناصر کو خوبی سے ترجمے میں سمیٹ لیا ہے۔ چند اقتباسات دیکھیے جو اردو کے طرزِ اظہار اور روزمرہ کی بخُوبی نمائندگی کرتے ہیں:

ا۔ ۱۷۷۴ء کا ذکر ہے کہ ایک اندھیری رات میں ایک مسن پادری صاحب ایک گلی میں ہو کر اپنے گرجا کو جا رہے تھے کہ اتنے میں ایک طرف سے بہت ہی تیز اور بھاری آوازیں آنے لگیں اور ذرا دیر میں دیکھتے ہیں کہ ایک عجیب و غریب متحرک شے اس کی طرف نہایت تیز رفتاری سے بڑھتی ہوئی آرہی ہے جس کا سارا جسم چمک رہا ہے اور گویا غصّے سے وہ گڑگڑا رہی اور پھنکار مار رہی ہے۔ پادری صاحب دہشت زدہ ہو کر چلاّنے لگے کہ معاً ایک شخص ان کی مدد کو آپہنچا۔۔۔۔ لوگوں نے اس کا مضحکہ کیا اور اسے سڑی سودائی قرار دیا۔"

۲۔ "رفتہ رفتہ جانوروں کو بھی اُس سے ایسی محبّت ہو گئی کہ ایک روز گلہری کے تین بچّے اس کی ٹانگوں پر چڑھ گئے اور ان کی ماں چیخچاتی رہ گئی۔"

۳۔ "ایک روز اُس نے دو گوبریلوں کو درخت پر بیٹھے دیکھا اور دونوں کو پکڑ کر ایک ایک مٹھی میں بند کر لیا۔ اتنے میں ایک نئی قسم کا تیسرا گوبریلا دکھائی دیا، چارلس سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ اسے نہ پکڑتا لیکن مٹھّی کوئی خالی نہ تھی۔ مارے شوق کے کیا کیا کہ جھٹ سے ایک گوبریلے کو منہ کے اندر ڈال لیا۔ افسوس ہے کہ یہاں کیڑے نے اپنی جان بچانے کی خاطر اُس کے کاٹ کھایا جس سے اُس کا سارا مُنہ جھلجھلا اٹھا۔"

"گڑگڑا رہی اور پھنکار مار رہی"، لوگوں نے اس کا مضحکہ کیا اور اسے سڑی سودائی قرار دیا، "چیخچاتی رہ گئی"، "سارا مُنہ جھلجھلا اٹھا"، کیا یہ طرزِ بیان ترجمہ پن کی نفی نہیں کرتا۔ "ناموارانِ سائنس" پوری کی پوری اسی تازہ اور اردو کے فطری اسلوب کی نمائندگی کرتی ہے۔" (۱۷)

ابُوالحسن نغمی نے "مادام کیوری" کے نام سے، اِس عظیم سائنس دان خاتون کی سوانح کا ترجمہ کیا۔ اس ترجمے میں اَصل کا لطف قائم رہتا ہے اور ترجمہ پن کہیں سے ظاہر نہیں ہونے پاتا، مادام کیوری کے حالاتِ زندگی بڑے دل کش پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ مادام کیوری کے شریکِ حیات پیئر کیوری کا تذکرہ کرتے ہوئے اُس کے استغنا کا بیان ابُوالحسن نغمی نے یوں کیا ہے:

"۔۔۔ میں اپنی تلخ کلامی کے لیے معافی چاہتا ہوں، لیکن مجھے یقین ہے کہ دماغی کام کرنے والوں کی اس سے بڑھ کر اور کوئی توہین نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی نوکری کے لیے بھیک مانگیں۔"

جب فزکس سکول کے ڈائرکٹر نے اسے تمغا دینے کی تجویز پیش کی تو اُس نے انکار کر دیا اور یہ خط لکھا:

مسٹر ڈائرکٹر:

میوزٹ صاحب نے مجھے بتایا کہ آپ پھر مجھے کوئی تمغاد ینے والے ہیں۔ میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہ کیجیے، اگر آپ نے مجھے تمغاد یا تو مجبور ہو کر مجھے انکار کرنا پڑے گا، میں قطعی فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں کبھی کسی قسم کا تمغا قبول نہ کروں گا۔ مجھے امید ہے آپ مجھے موقع دیں گے کہ میں لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہونے سے بچ جاؤں۔ اگر عزت افزائی کی نیّت ہے تو وہ آپ پہلے ہی بہت کر چکے ہیں۔''

وہ تھوڑا بہت مصنّف بھی تھا، یہ شخص جن کی عجیب و غریب طرح سے تعلیم ہوئی تھی، اس کا اندازِ نگارش بڑا منفرد اور موثر تھا۔'' (۱۸)

مندرجہ بالا اقتباسات میں مختلف پیرائیوں میں اعلیٰ پائے کے ترجموں کی کچھ مثالیں پیش کی گئی ہیں جن سے علم ہوتا ہے کہ ترجمے میں کن خاص امور کو دھیان میں رکھا جاتا ہے۔ لفظ ہر لفظ پر بٹھانے سے گریز کیا جاتا ہے اور ایک زبان کے روز مرّہ محاورے کو دوسری زبان کے روز مرّہ محاورے میں کیونکر تبدیل کیا جاتا ہے، ترجمہ پن سے حتُی الامکان کیسے پرہیز کیا جاتا ہے اور اصل متن کی روح سے کسی صورت اِنحراف نہیں کیا جاتا، ترجمہ، جسے دوسرے درجے کی چیز متصور کیا جاتا ہے مسلسل مشقّت اور پیہم عرق ریزی کا دوسرا نام ہے۔ بعض صورتوں میں تخلیق سے زیادہ دِقّت طلب کام ترجمہ نگاری ہے، چناں چہ یہی سبب ہے کہ دنیا بھر میں، بالخصوص ترقّی یافتہ ممالک میں مترجم اور ترجمان کا معاوضہ باقی پیشوں کی نسبت اچھا خاصا زیادہ ہے، ہاں تیسری دنیا کے ممالک کا معاملہ جدا ہے!

اچھے تراجم کی مثالیں ہم نے ملاحظہ کیں۔ لیکن اگر محنتِ شاقّہ کی کمی ہو، مطالعے کا فقدان اور جستجو سے گریز ہو تو ایسے گریز پا ترجمے دیکھنے میں آتے ہیں جن کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا۔ اب ہم ایسی دو تین مثالیں دیکھتے ہیں جن سے یہ بات عیاں ہو گی کہ ترجمہ کس طرح کا ''نہیں'' ہونا چاہیے۔ مندرجہ ذیل انگریزی زدہ ترجمہ (جو اصلاً ترک زبان سے کیا گیا ہے اور اصل متن عدم دستیاب ہے) اور جس کے خط کشیدہ بے معنی یا انگریزی الفاظ کا بہتر/اردو متبادل ذرا سی محنت سے تلاش کیا جا سکتا ہے، یہ ترک ناول نگار اویا بیدر کے ناول ''جلاوطن بلّیاں'' کا اردو ترجمہ ہے جو ہما انور نامی خاتون نے کیا ہے اور ۲۰۱۵ء میں اشاعت پذیر ہوا: ''۔۔۔اور جہاں تک تمہارے مالکوں کی بات ہے، مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی اسلحہ ڈیلر ہوں گے یا کسی قسم کے گینگسٹر۔ میرا مطلب ہے کہ ذرا دیکھو اس گھر اور اس باغ کو۔۔۔ ساری جگہ سے نو دولتی تصنع اور بناوٹ کی بو آ رہی ہے۔

جب تم چھٹی پر جاؤ گے تو اس غلیظ ننھی شے کا کیا ہو گا؟ اگرچہ بدتر یہ کہ جب میرے مالک دیکھ نہ رہے ہوتے تو وہ مجھے لات بھی دے مارتی۔ یہ بالکل بھی شرم ناک نہ ہو گا اگر میں آرام کرسیوں یا ان کے کشن یا گدوں پر بیٹھ جاتی۔۔۔''

بعض اوقات وہ اتنی زد پذیر اور تنہا لگتی۔'' '' یہ یقیناً ایک غیر معمولی بلی ہے۔ شاید یہ ہمارے بچوں کی طرح Selective Perception'' رکھتی ہے۔''

اب اس بیچارے بوڑھے کو جا کر Rabies سے بچاؤ کے ٹیکے لگوانا پڑیں گے۔ تمہاری وجہ سے مجھے وہ کرنا پڑا جو میں اس دنیا میں کرنا کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔''

''ہاتھی دانت کے منقّش خط کھولنے والے آلے، Mafioso Figurines، ڈیکوریٹ شدہ میکسیکن چمڑے۔۔۔''، '' کیا تم یہی چاہتی ہو۔۔۔ کہ میں وہاں سیٹل ہونے سے پہلے کوڑے کباڑ سے نمٹتی رہوں۔'' اس کی چھوٹی سی فیشن ایبل باسکٹ، mama کے ایک ٹِن والا بیگ۔'' ''اور پھر ہمارے سروں میں باقی سب چرنوبل جیسے Meltdowns تھے ۔''

۱۹

مندرجہ بالا ترجمے میں کہانی پن ندارد ہے، حتّٰی کہ ترجمہ بھی ندارد ہے۔ ناول کے کردار نہ تو واضح ہیں نہ مربوط۔ ایک اُلجھاؤ اور ابہام کی کیفیت غالب ہے۔ ترجمہ بے ربط اور مبہم نہیں ہو سکتا۔ اس میں روانی اور ربط دونوں نظر آنے چاہیں۔ دوسرا بے ربط ترجمہ جو ہمارے پیشِ نظر ہے، اورتیگا ای گاست کی مشہور کتاب ''The Revolt of the Masses'' کے ایک باب کا مختصر اقتباس ہے۔ متن کی اہمیت کے پیشِ نظر ۱۹۹۹ء میں کسی آئی وی جرال نامی شخص نے ''عوام کی بغاوت'' کے نام سے اس کا ترجمہ شائع کیا۔ ''فکریات'' (تراجم) کے دیباچے میں ڈاکٹر تحسین فراقی نے اس کا ایک اقتباس دیا ہے، ذرا ملاحظہ کیجیے اور داد دیجیے کہ اوٹ پٹانگ ترجمہ بھی کوئی آسان کام نہیں! اس ترجمے کے حوالے سے ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں:

> ''یہ تراجم مضحکہ خیز حد تک غلط اور شرم ناک حد تک بے سر و پا ہیں۔ ذیل کا صِرف ایک ترجمہ شدہ اقتباس دیکھیے اور پھر انگریزی متن جس سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے، میری معروضات کی صداقت آپ پر آئینہ ہو جائے گی:
>
> ''اس وقت اچھے پورپی شہریوں کو بھی اس مسئلہ پر مصروف رکھنا چاہیے کیوں کہ اس مسئلے سے اس کا گہرا تعلق ہے کہ آسٹریلوی ریاستوں کے ساتھ لگاؤ کس بنا پر قائم ہوتا ہے کہ کس طرح اس کے شہریوں کو روکا جائے کہ وہ اس بیضہ نُما پودے کے زیرِ زمین سمندر کی تہوں میں نہ جائیں۔ چالیس کی دہائی میں ایک آسٹریلوی کو اپنے ملک کے خوبصورت ترین مناظر "ملیگا" اور "سِسلی" سے لطف اندوز ہونے کی خواہش پیدا ہوئی تو وہ بحیرۂ روم کے ایک مہاجر کو اپنے ساتھ لے کر اپنے بیضوی شکل برتن چلا جاتا ہے۔ آج آسٹریلیا کی حکومت اس بیضہ نما ملک کو مزید خوب صورت بنانے کے لیے بھاری بجٹ خرچ کرتی ہے۔ یہ وہی آسٹریلیا اور وہی فرد ہے جس نے برّاعظم دریافت کیا تھا اور اس میں ہر سال تقریباً ایک مربع کلو میٹر زمین کو شامل کر کے ترقی کی منزلیں طے کر کے آگے ہی آگے بڑھتا رہا ہے۔''
>
> (۲۰)

اب اصل متن دیکھیے:

"The "good European" must at present busy himself with something similar to what caused grave concern to the Australian States: how to prevent the prickly-pear from gaining ground and driving men into the sea .Sometimes in the 1840 s a Mediterranean emigrant, homesick for his native scenery __Malaga, Sicily? __too with him to Australia a pot with a wretched little Prickly-pear. Today the Australian budgets are weighed down with the burden of charges for the war against the Prickly-pear, which has invaded the continent and each year advances over a square kilometer of ground." (۲۱)

مندرجہ بالا ترجمہ نہ صرف یہ کہ قواعد کی اغلاط سے بھرا پڑا ہے بل کہ سیاق و سباق کے سمجھے بغیر اٹکل پچو ترجمہ کرنے کی کوشش میں غلطی کی گئی ہے ۔ مثلاً صرف ایک غلطی کو ہی دیکھ لیجیے۔ انگریزی کی ذرا سی شد بد رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ لفظ "concern" کا معنی ہے خیال، تعلق، مگر یہی لفظ جب "grave" کے ساتھ استعمال ہو گا یعنی "grave concern" تو اس کا مطلب ہو گا بہت زیادہ تشویش۔ اس ایک مثال سے باقی ترجمے کی صورت حال سمجھی جا سکتی ہے۔ کچھ عرصے سے یہ ریت چل نکلی ہے کہ انگریزی ادب کے اہم متون کو دھڑا دھڑ تراجم کیے جا رہے ہیں۔ ۲۰۱۷ء میں لاہور سے ایک خاتون نے، آرون دھتی رائے کے ناول "The Ministry of Utmost Happiness" کا اردو ترجمہ کیا۔ قارئین اور محقّقین و مترجمین ضرور واقف ہوں گے کہ آرون دھتی رائے کے متون کا ترجمہ آسان کام نہیں ہے، بالکل اسی طرح جیسے ایڈورڈ سعید، کیرن آرم سٹرانگ اور اقبال احمد کے تراجم کو اردو میں ڈھالنا ہر گز سہل نہیں۔ یہ وہ بھاری پتّھر ہے جسے سبھی اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ بار سب پر گراں ہے سوائے ان کے جنھیں وارفتگیٔ شوق اکساتی رہتی ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے ہاں ترجمے کا فن سکھانے کے لیے کوئی اکیڈمیاں نہیں نہ مخصوص ادارے ہیں۔ محض چند ایسے ادارے ہیں جو ترجمے سے متعلق سرگرمیاں انجام دے رہے ہیں مگر ان حکومتی اداروں کو ملنے والی امداد (Grant) چند مونگ پھلیوں سے زیادہ کچھ نہیں نتیجتہً مترجمین بھی پر شوق نہیں نظر آتے۔ جو لوگ اس کے اہل ہیں وہ بد دل اور مایوس ہیں ، نااہل افراد جو موقع پاتے ہی دستِ طمع دراز کرتے ہیں اور عالمی کلاسیک نیز جدید فلسفیانہ متون کے ترجمے چند ہفتوں کے اندر اندر منظرِ عام پر لے آتے ہیں حالاں کہ یہ کام ہفت خواں سر کرنے سے کسی طور کم نہیں۔

اب ہم اس تیسرے ترجمے کا بھی مختصراً جائزہ لیتے ہیں جس کا ذکر پہلے ہوا ہے اور دیکھتے ہیں کہ ترجمہ ایسا کیوں نہیں ہونا چاہیے۔ مذکورہ ترجمہ اکتوبر ۲۰۲۱ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ یہ آرون دھتی رائے کی کتاب "AZADI: Freedom, Fascism, Fiction" جو اردو میں بھی اِسی نام سے سیّد کاشف رضا نے کیا ہے "آزادی: فریڈم، فاشزم، فکشن" نامی اس ترجمے میں کچا پن اور اکھڑا پن نیز مطالعے کی کمی واضح نظر آتی ہے۔ مُشتے نمونہ از خروارے دیکھتے چلیں:

"ارے بھئی تم ڈرا دینے والی گندی زبان بولتی تھی" (کیا اس کا بہتر متبادل یہ ترجمہ ہو سکتا تھا: ارے بھئی تم خوف زدہ کر دینے کی حد تک / بوکھلا دینے کی حد تک بدزبان تھیں،" ؟) (۲۲)

مترجم کو یہ تک نہیں معلوم کہ آرون دھتی رائے کے پہلے ناول "The God of Small Things" میں جڑواں بہن بھائیوں میں سے ایستھا مذکر ہے مؤنث نہیں۔ موصوف نے یہ ترجمہ کیا ہے:

"جیسا کہ ایستھا ہمیشہ سے جانتی تھی کہ "مُعاملات تو ایک دن میں بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔" (۲۳)

Mob Murder کی اصطلاح کا ترجمہ "ہجومی قتل" کیسے ہو سکتا ہے؟ (۲۴)

صفحہ نمبر ۱۸۰ پر آخری پیرا گراف میں سید کاشف رضا کا ترجمہ ان کی از حد لاپروائی کا عکاس ہے۔ ہر وہ شخص جس کا انگریزی ادب سے تعلق رہا ہے، جانتا ہے کہ "The God of Small Things" کے مرکزی کردار کون کون سے ہیں۔ جڑواں بہن بھائی راحیل اور ایستھا ہیں۔ راحیل لڑکی ہے اور ایستھا کے متعلق گوگل (Google) سے یہ معلومات ملتی ہیں:

"(Rahel's twin brother and the other Protagonist)" (انٹرنیٹ کے اس برق رفتار دور میں ایسی غفلت کا مظاہرہ سہل پسندی ہی کہلائے گا۔) سید کاشف رضا نے ترجمہ یوں کیا ہے:

> "جب میں نے یہ آخری جملہ لکھا تو سات سال کی ایک پرانی ساتھی ایستھّن میرے پاس آئی۔ ایستھّن ایک اور ناول "چھوٹی موٹی چیزوں کا خدا" سے آئی ایک مداخلت کار، ایک ایسی لڑکی جو اس دوسرے ناول کے لیے اجنبی تھی۔" (۲۵)

ترجمہ رواں نہیں ہے، بے ربط ہے۔ مثلاً یہ جُملہ ملاحظہ کیجیے:

> "بھارت نے ۵ اگست ۲۰۱۹ء کو کشمیر کا جو الحاق کیا ہے تو اس کا تعلق ان دریاؤں تک رسائی کے لیے بھارت کی عجلت سے بھی اتنا ہی ہے جو ریاست جموں و کشمیر سے گزرتے ہیں جتنا اس کا تعلق کسی

اور چیز سے ہے۔"

(۲۶)

بحث کو سمیٹتے ہوئے یہ کہنا مقصود ہے کہ ماضی قریب میں اچھے ترجمے ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں اور متحّدہ ہندوستان میں جہاں دارالترّجمہ عثمانیہ جیسے بے مثل ادارے موجود تھے، مُنشی ذکاءُاللہ کے صاحب زادے عنایت اللہ دہلوی، نیز مہدی افادی اور بابائے اردو مولوی عبدُالحق کے شبانہ روز محنت کے نتیجے میں کیسے کیسے خوب صورت اور اعلیٰ پائے کے تراجم منصۂ شہود پر آتے رہے۔

میرے پیشِ نظر اس وقت ولیم شیکسپیئر (۱۸۶۴ء۔۱۶۱۶ء) کا بہترین المیہ ڈرامہ "آتھیلو" (Othello) ہے جس کا ترجمہ سجّاد ظہیر نے کیا تھا اور یہ ساہتیہ اکادمی بھارت سے شائع ہوا۔ میرا خیال ہے کہ اس ترجمے کو پڑھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رواں، شُستہ ورُفتہ اور بامحاورہ ترجمہ کسے کہتے ہیں۔ یہ اس ٹریجیڈی کے آخری ایکٹ کا آخری سین ہے جہاں سیاہ فارم جنرل اوتھیلو نے اپنی پاک باز بیوی ڈسڈیمونا کو شک کی بنیاد پر گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہے، اور بعد ازاں یہ جان کر کے وہ عِفّت مآب خاتون تھی اور باقاعدہ سازش کے ذریعے اسے ان حالات تک پہنچایا گیا، اوتھیلو سخت شرمسار ہوتا ہے۔ گرفتار ہونے سے قبل وہ چند جملے کہتا ہے جنھیں بلاخوفِ تردید اس تمام ڈرامے کا حاصل کہا جاسکتا ہے۔ یہ ترجمے کا نچوڑ ہیں:

"آتھیلو: "آپ سے میری درخواست ہے کہ آپ اپنے مراسلے میں جب ان بدبختی کی حرکتوں کا ذِکر کریں تب میرے بارے میں وہی کچھ لکھیے جیسا کہ آنے مجھے پایا ہے۔ نہ تو کسی بات کو ہلکی کرنے کی کوشش کیجیے گا نہ کینہ پروری۔ آپ ذِکر کیجیے گا ایسے شخص کا جس نے محبّت کرنے میں سمجھداری تو نہیں دکھائی لیکن جس نے بہت زیادہ محبت کی، ایک ایسا شخص جس کے دِل میں رقابت کا جذبہ آسانی سے پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن اگر پیدا ہو جائے تو اسے بری طرح پریشان کرتا تھا، جس نے ایک نادان کی طرح اپنے ہاتھ سے ایک ایسا موتی پھینک دیا جو اس کے سارے قبیلے سے زیادہ قیمتی تھا، ایسا جس کی جھکی آنکھیں، گو کہ ان کا دستور رِقّت میں آنے کا نہیں تھا، اب اس طرح جَھر جَھر آنسو بہا رہی ہیں جیسے عربی درختوں سے مسلسل معطّر رس کی بوندیں ٹپکتی ہیں۔۔۔"

(۲۷)

اور اب اصل متن دیکھیے:

"... I pray you, in your letters,

When you shall these unlucky deeds relate,

Speak of me as I am; nothing extenuate, Nor set down aught in malice, then must you speak of one that,

Loved not wisely but too well;

Of one not easily jealous, but being wrought

Perplex'd in the extreme; of one whose hand,

Like the base Indian, threw a pearl away

Richer than all his tribe, of one whose subdu'd eyes,

Albeit used to the melting mood,

Drop tears as fast as the Arabian trees

Their medicinable gum..." (۲۸)

(Othello's final monologue)

"Othello, Act V, Scene: II"

مندرجہ بالا اقتباس سے اس ترجمے کی روانی اور زبان پر مترجم (سجّاد ظہیر) کی گرفت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ کلاسیکی ادب اور جدید ادبی فن پارے بہر حال دوسری زبانوں میں ڈھالنا آسان کام نہیں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ادبِ عالیہ کے تراجم کے لیے دارالتّرجمہ عثمانیہ کی طرز پر ادارے قائم کیے جائیں اور ان میں صفِ اوّل کے مترجمین کی مدد سے عالمی ادب کی کتب کے تراجم سامنے لائے جائیں۔ صرف یہ ہی نہیں، بل کہ دیگر علوم کی کتب کے تراجم کیے جائیں۔ فلسفہ، نفسیات، تجارت، حیاتیات، طبیعیات، فنونِ لطیفہ کی اہم کتب کو اردو میں ڈھالا جائے۔ یہ کام ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا ہر گز نہیں بل کہ ایک مقدس فریضے کی انجام دہی کا سا انہماک، ارتکاز اور اعماق چاہتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر۔ "ترجمے کا فن"، دہلی: کتابی دنیا، ۲۰۰۵ء، ص ۷۶

۲۔ عبدالمجید، خواجہ (مؤلف و مرتّب)۔ جامعُ اللُّغات (جلد اوّل)، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۱۰ء، ص ۶۳۲

۳۔ سید احمد دہلوی۔ فرہنگِ آصفیّہ (جلد اوّل)، دہلی: ترقیِ ادب بیورو، ۱۹۷۶ء، ص ۶۰۸

۴۔ عبدُالصّمد صارم الازہری، پروفیسر (مرتب)۔ "المُنجِد۔ عربی اردو"، کراچی: دارُالاشاعت، ۱۹۶۲ء، ص ۱۴۴

۵. Elizabeth Gordon. (ed.)Collins Compact Dictionary, Delhi: Harper Collins, 1984, pg.988

. Ibid.٦

. Archie Hobson. (ed.) Oxford Dictionary of Difficult Words. New York: ٧ Oxford University Press, 2001, pg.44

. A.S.Hornby. (ed.) Oxford Advanced Learners' Dictionary. London: Oxford ٨ University Press, 2010, pg.1646

٩۔ قمر رئیس، ڈاکٹر۔ ترجمہ کا فن اور روایت۔ لاہور: پیس پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء۔ ص ۹۷

١٠۔ حسن الدین احمد۔ فنِ ترجمہ، مشمولہ: فنِ ترجمہ کاری (مباحث)، اسلام آباد: ادارۂ فروغِ قومی زبان، ۲۰۱۲ء

١١۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر۔ عبدُالماجد دریابادی۔ اَحوال و آثار۔ لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیّہ، ۱۹۹۳ء۔ ص ۲۴۶

١٢۔ رشید حسن خاں۔ ادبی تحقیق: مسائل و تجزیہ۔ دہلی: ترقیٔ اُردو بیورو، ہند، ۱۹۹۳ء۔ ص ۴۴

١٣۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر۔ عبدُالماجد دریابادی۔ اَحوال و آثار۔ ص ۲۴۹

١۴۔ شاہد حمید۔ تکبّر اور تعصّب۔ لاہور: اِلقا پبلیکیشنز، ۲۰۱۴ء۔ ص ۳۶

١۵۔ ایضاً

٣٧۔

١٦۔ ایضاً ۔ص ۸۷

١٧۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر۔ عبدُالماجد دریابادی۔ اَحوال و آثار۔ ص ۲۹۰

١٨۔ ابُوالحسن نغمی۔ مادام کیوری۔ لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۸۹ء۔ ص ۲۳۲

١٩۔ ہما انور۔ جِلاوطن بلیّاں۔ لاہور: جمہوری پبلیکیشنز، ۲۰۱۵ء۔ ص ۲۳

٢٠۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر۔ فکریات۔ لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۲۰۰۹ء۔ ص ۲۳

٢١۔ ایضاً

۔ص ۲۴

٢٢۔ سید کاشف رضا (مترجم)۔ آزادی، لاہور: فولیو بُکس۔ ۲۰۲۱ء۔ ص ۱۷

٢٣۔ ایضاً

۔ص ۲۲

۲۴۔ ایضاً

۔ص ۷۵

۲۵۔ ایضاً

۔ص ۱۸۰

۲۶۔ ایضاً ۔ص ۱۰۲

۲۷۔ سجّاد ظہیر

، سیّد۔ آتھیلو۔ دہلی: ساہتیہ اکادمی۔ ۱۹۶۶ء۔ ص ۱۴۷۔۱۴۸

۲۸. E.A.J Honigmann. Othello, London: Thomas Nelson and Sons, Ltd.1997, pg. 328